مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

مسلمانوں کے نظام تعلیم میں تبدیلی

قدیم سامراجی منصوبہ

صلیبی جنگوں کے دوران مغربی دنیا کو یہ تجربہ ہوا کہ مسلمانوں کا شیرازہ خواہ کتنا ہی منتشر ہوا اور ان کے باہمی اور داخلی اختلافات ونزاعات کتنے ہی سنگین ہوں، لیکن جب ان کے مشترک دشمن کی طرف سے جنگ مسلط کی جاتی ہے تو وہ متحد ہو جاتے ہیں، ان کی ایمانی غیرت وحمیت بھڑک اٹھتی ہے اور خدا کے راستے میں شہید ہو جانے کا شوق و جذبہ ان کے دلوں میں موجزن ہو جاتا ہے، بعض مغربی رہنماؤں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ پورا یورپ متحد ہو کر بھی مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے پائے ثبات میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہیں کر سکتا، جس کے اندر ایمانی غیرت وحمیت کا جذبہ موجزن ہو، چنانچہ مغربی دنیا کے رہنماؤں نے اس ایمانی طاق وقوت کی رگوں کو کاٹنے اور اسکے سرچشموں اور سوتوں کو خشک کرنے کے لئے تعلیم و تربیت کا طریقہ اختیار کیا تاکہ نئے اقدار و روایات کا بیج بو کر عقلاء، دانشوروں اور مثقفین کو ان کے روایتی اقدار و روایات سے ہٹا دیا جائے اور وہ اپنے آباء واجداد اور اسلاف کے طریقۂ کار کو بھول جائیں۔

چنانچہ مغربی دنیا نے اسکولوں، کالجوں اور تعلیمی اداروں کا ایک جال پھیلا دیا، اس کے لئے انہوں نے ایک خاص نصاب تعلیم تیار کیا، جس میں ایسے مضامین شامل کئے گئے جس سے تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ اپنی روشن تاریخ اور شاندار ماضی کے بارے میں بدگمان ہوں اور اس کی طرف ذلت وحقارت آمیز نگاہوں سے دیکھیں اور اسلامی تشخص کے اہم عناصر سے محروم ہو جائیں، اس نظام تعلیم و تربیت کے اثر سے ان کے قلب، نظر اور ذہن و دماغ میں فساد پیدا ہو، ان کی عقلیں مغرب اور مغربی تہذیب و مدنیت کی چمک دمک سے مسحور مرعوب ہوں، وہ اس کے گرویدہ بن جائیں اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد مغرب ان کو اپنے سامراجی منصوبوں کے تکمیل کیلئے استعمال کرے یا پھر اپنے ملک اور معاشرہ میں مکمل طور پر ان کو ضم کر لے اور وہ اپنے معاشرہ سے الگ تھلگ ہو جائیں۔ مغربی دنیا کا

تیار کردہ نظام تعلیم و تربیت ایسی کتب پر مشتمل ہے جن میں اسلام اور اسلامی عہد پر حملہ کیا گیا ہے۔

اس ثقافتی یلغار میں تمام سامراجی برابر ہیں، چنانچہ فرانس نے انیسویں صدی میں اپنے ناجائز مقبوضات الجزائر، مالی، سینگال، لبنان، شام اور دیگر ملکوں میں یہی روش اختیار کی۔ برطانیہ نے مصر میں یہی طریقہ اختیار کیا، اس نے مصر کے اسکولوں، مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اپنی زبان رائج کردی، اپنی تہذیب عام کی اور ذہنوں میں قومی تہذیب کی تحقیر بٹھائی۔

ہندوستان میں بھی برطانیہ نے یہی کیا، بڑی حد تک انگریزی زبان کو تہذیب یافتہ اور عام بول چال کی زبان بنانے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا، حالانکہ خود ہندوستان بہت سی مقامی ترقی یافتہ زبانوں کا گہوارہ ہے۔

مغربی سامراج نے عیسائی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی ہمت افزائی کی، عیسائی مبلغین کو ہر طرح سہولیت بہم پہنچائی، مستشرقین کی کتابوں کو فروغ دیا اور ان کو بہت سے اختیارات دے دیے تاکہ آسانی کے ساتھ مقامی عقائد اور قومی تہذیبوں کے خلاف اپنی تخریبی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں۔

اس ثقافتی یلغار کا پہلا تجربہ یہ کیا گیا کہ مسلم طلباء کو یورپین یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا، لیکن یہ تجربہ مکمل طور پر مفید ثابت نہیں ہوا، تو عیسائی مشنریوں نے اسلامی ملکوں میں تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اسکیم تیار کی تاکہ ایک بڑی تعداد ان اداروں میں تعلیم حاصل کر سکے، سب سے پہلے یہ رائے ''دانیال بلس'' (Danial Bliss) اور ''ڈاکٹر ولیم ٹامس'' (William Tomos) نے دی تھی، جنہوں نے ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء میں اسلامی ملکوں میں اسکول اور کالجز قائم کرنے کے سلسلے میں غور کیا تاکہ بیک وقت خود مسلمانوں میں سے عیسائی مذہب کے مبلغ و داعی تیار کیے جا سکیں اور بڑی تعداد میں لوگوں کو متاثر بھی کیا جا سکے، ان دونوں کا اس پر اصرار تھا کہ ان تعلیمی اداروں میں تمام کے تمام ٹیچرس اور اساتذہ عیسائی مبلغین ہی رکھے جائیں، چنانچہ اس تجویز کے مطابق ترکی، شام، مصر، لبنان اور عراق میں اسکول اور کالجز کھولے گئے اور ان اداروں کی طرف لوگوں کو زبردست رجحان ہوا، عیسائی مبلغین کی زیادہ تر توجہ اونچے گھرانوں اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کی طرف تھی، اس لئے کہ ملک کے حکمراں اور رہنما انہیں گھرانوں میں تیار ہوتے ہیں۔

مندرجہ ذیل بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی دنیا کے رہنماؤں نے مسلم نوجوانوں کے ذہن و دماغ اور قلب و نظر کو تعلیم کے ذریعہ بدلنے پر کتنا زور دیا ہے اور اس مقصد کے حصول میں عیسائی مبلغین کا کیا رول رہا ہے۔

''صموئل زویمر'' Samuel Zweimer (۱۸۶۱ء، ۱۹۰۲ء) جو امریکی ہے، اپنی ایک رپورٹ میں کہتا ہے جو اس نے عیسائی مبلغین کی کانفرنس میں پیش کی تھی: ''یہ ضروری ہے کہ ہر میدان میں ساری توجہ مسلمانوں کی چھوٹی نسل پر دی جائے اور ساری جدوجہد اسی نسل کے درمیان دائر رہے تاکہ ان کا احاطہ کیا جاسکے اور براہ راست ان سے رابطہ قائم رہے، یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی ملکوں میں تمام دوسرے کاموں پر اس کو مقدم رکھا جائے، اس لئے کہ نئی نسل میں اسلامی روح کی روشنی بچپن ہی سے شروع ہو جاتی ہے لہٰذا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کی چھوٹی نسل کا شعور پختہ ہونے سے پہلے اس پر بھرپور توجہ دی جائے''۔

زویمر اپنی ایک دوسری رپورٹ میں جو اس نے عیسائی مشنری کانفرنس میں پیش کی تھی، اپنے مشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے: ''تمہارا مشن اسی پر ختم نہیں ہوجاتا کہ مسلمانوں کو عیسائی مذہب میں داخل کرلو، یہ تو ان کے لئے ہدایت اور باعث شرف بات ہوگی، بلکہ تمہارے مشن کا مقصد یہ ہے کہ تم مسلمانوں کو اسلام سے خارج کردو کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی تعلق باقی رہے، نتیجتاً ان اقدار و روایات سے بھی ان کا تعلق ختم ہوجائے گا جن پر قومیں اپنی زندگی میں بھروسہ کرتی ہیں''۔

مسٹر ٹاکلی Takle کہتا ہے: ''یہ ضروری ہے کہ ہم اسکولوں اور مدارس قائم کرنے کی ہمت افزائی کریں، خصوصاً مغربی تعلیم پر ابھاریں، بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ انگریزی زبان سیکھنے سے انکا ایمان واعتقاد ومتزلزل ہوگیا، اسلئے کہ مغربی درسی کتب کسی مشرقی مقدس کتاب پر ایمان واعتقاد کو مشکل بنا دیتی ہیں''۔

''لویس ماسینیون'' Louise Massignon کہتا ہے: ''مشرقی طلباء جو فرانس تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، ان کو عیسائی رنگ میں رنگنا ضروری ہے''۔

عیسائی مبلغہ ''انا مالیگان'' Anna Milligan اونچے گھرانوں کی مسلم لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے: ''اسلام کے قلعہ تک پہنچنے کا راستہ اس تعلیم سے مختصر کوئی راستہ نہیں ہوسکتا، بلاشبہ یہ تعلیم نئی نسل کو عیسائی مذہب سے متاثر کرنے کا ایک طاقتور موثر ذریعہ ہے، اس طریقے سے جو اثر ڈالا جائے گا وہ دائمی ہوگا، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی متاثر ہوجائیں گے جو عنقریب اپنے ملکوں کے رہنما بنیں گے''۔

''گپ'' Gibb تعلیم کے نتائج کے متعلق کہتا ہے: ''ان اسکولوں اور تعلیم گاہوں نے طلباء کے اخلاق کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیا، ان کے ذہن و مذاق کو تیار کیا اور سب سے اہم نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ان اسکولوں اور مدرسوں نے طلبہ کو یورپین زبانیں سکھادیں، جس کے بعد وہ زندگی میں براہ راست یورپین

فکر اور طرز حیات اپنا سکیں اور ان اثرات کو قبول کر سکیں جو ایام طفولت میں ان کے ذہن و دماغ پر مرتب ہوتے ہیں''۔

گپ مزید کہتا ہے: ''صحافت اور عصری تعلیم اداراں کے ذریعہ جاری ہماری تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں پر ایسا اثر ڈالا ہے کہ وہ بڑی حد کت لادین ہو گئے ہیں''

یہ ثقافتی یلغار علانیہ طور پر اسلام کے سرچشموں کی طرف منتقل ہو گئی، چنانچہ ''گلاڈسٹون'' Gladston (۱۸۰۹ء۔۹۸) نے یہاں تک جرأت اور گستاخی کی برطانیہ کی پارلیمنٹ میں قرآن شریف ہاتھ میں اٹھا کر کہا: ''جب تک یہ کتاب زمین پر باقی ہے، ہم مسلمانوں کو محکوم نہیں بنا سکتے''

''کرومر'' Cromer (۱۸۴۱ء۔۱۹۱۷ء) نے جو مصر میں انگلینڈ کا نمائندہ تھا کہا ہے:

''میں تین چیزیں مٹانے کے لئے آیا ہوں: قرآن، کعبہ اور ازہر''۔

مشرق میں عیسائی مبلغین کا رہنما ڈاکٹر زویمر کہتا ہے:

''ابتدائی اسکولوں میں تعلیمی پروگرام کی تقریباً نصف صدی پوری کر لینے کے بعد سامراجی سیاست نے مدرسوں سے قرآن کو خارج کر دیا، پھر تاریخ اسلام کو نکال دیا اور اس طرح ایک ایسی نسل تیار کی جو مادیت پرست، تذبذب اور فکری و ذہنی اضطراب میں مبتلاء تھی، جسے نہ اپنے عقیدہ پر ایمان و یقین تھا اور نہ ہی دین کا پاس و لحاظ اور ملک کی آزادی کا خیال تھا''۔

''ڈاکٹر واٹسن'' Watson کہتا ہے: ''ہم مدارس اسلامیہ میں قرآنی تعلیم کے نتائج پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، ہم کو مدارس اسلامیہ سے بڑا خطرہ لاحق ہے، کیونکہ قرآن اور اسلامی تاریخ یہ دونوں بڑے عظیم خطرے ہیں، جن سے عیسائی مشنری کو خوف لاحق ہے''۔

الجزائر کے ایک عالم نے شکایت کی کہ: ''علوم دینیہ کی تعلیم اس شرط کے ساتھ دی جا سکتی ہے کہ استاذ کسی ایسی آیت یا حدیث کی تفسیر و تشریح نہ کرے جو ''جہاد'' سے متعلق ہو اور نہ فقہ کی کتابوں میں ''جہاد'' سے متعلق ابواب میں سے کچھ پڑھائے، مشرق میں ان لوگوں کا پروپیگنڈہ جب عام ہو گیا، مسلمان لفظ ''جہاد'' سے نفرت کرنے لگے''۔

اس مقصد سے یورپ نے ایسے افکار و نظریات کی تائید کی جو جہاد کی ضرورت سے انکار کریں اور ایسے مفکرین کی ہمنوائی کی جو اسکو باطل قرار دیں، شوق جہاد اور ہیبت اسلامی کو ختم کرنے کیلئے وسائل اختیار کریں۔

یہ مغربی قائدین اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے سامراجی اغراض و مقاصد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب مسلمانوں کا ان کے شرعی اور دینی مصادر و مآخذ سے تعلق ختم کر دیا جائے، چنانچہ ان لوگوں نے

اس مقصد کے حصول و تکمیل کے لئے متعدد طریقے اختیار کئے، مثلاً:

۱۔ فصیح عربی زبان کے خلاف تحریک، مدارس قرآنیہ کی تحقیر، اہل دین کے بارے میں حقارت کے احساسات کو فروغ دینا۔

۲۔ شرعی اور دینی مصادر و مآخذ کے تئیں ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا۔

۳۔ ان مصادر مآخذ میں علمی و تاریخی مسائل کھڑے کرنا۔

۴۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و شخصیت اور صحابہؑ کرام کی سیرت پر کیچڑ اچھالنا۔

۵۔ اسلامی تاریخ اور اسلامی کارناموں پر حملے، مسلمانوں کے مختلف مسلکوں کے ماننے والوں میں کشمکش پیدا کرنا وغیرہ۔

مغرب کے پریس نے موضوعی تحقیق کے نام پر قرآن، حدیث، اسلامی تاریخ، دعوت اسلامی، مسلمانوں کے طرز زندگی اور اسلامی تہذیب وتمدن پر ایسے مقالات اور تحقیقات شائع کئے جو دلوں میں دین اسلام سے نفرت وکراہیت پیدا کریں اور ذہنوں میں شکوک وشبہات داخل کریں اور یہ مقالات اور تصنیفات اعلیٰ تعلیم کے نصاب درس میں شامل کی گئیں، صرف یورپین یونیورسٹیوں ہی میں نہیں بلکہ اسلامی ملکوں کی تعلیم گاہوں میں بھی اور حکمرانوں نے ان لوگوں کی ہمت افزائی کی جو ایسی تحقیقات پیش کریں، جو دینی جذبات کو مجروح کریں یا مقدسات اور مسلمات کے بارے میں شکوک پیدا کریں یا مسلمانوں میں ہیجان پیدا کریں۔

مغرب نے اپنے مقاصد ایسے نظام تعلیم وتربیت کے ذریعہ حاصل کئے جن کی بنیاد ایک طرف خالص علمی اور عقیدہ واخلاقیات سے خالی تھی تو دوسری طرف ان کی بنیاد قدیم سے بغاوت پر تھی، چنانچہ اس نظام تعلیم وتربیت کے اثر سے ایک ایسی علمی نسل وجود میں آئی جو روحانیت سے خالی تھی اور اپنے اسلاف کی میراث کی باغی تھی یعنی اسلامی تہذیب ومدنیت، اقدار وروایات، عقائد اور اسلامی سلوک کی باغی تھی۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اس سلسلہ میں اپنی کتاب ''اسلام اور مغربیت کی کشمکش'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یورپ سے تعلیم پاکر آنے والے عرب فضلاء کی حالت یہ تھی کہ مغربی روح ان کے اندر پوری طرح سرایت کر چکی تھی، وہ اسی کے دماغ سے سوچتے تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسی کے پھیپھڑوں سے سانس لیتے تھے، وہ اپنے مستشرق اساتذہ کی صدائے بازگشت بن کر وہی خیالات و نظریات پورے یقین و وثوق اور پورے جوش وسرگرمی کے ساتھ اپنے ملک میں پھیلانے کی کوشش

کرتے دنیا کے کسی گوشہ میں اگر کوئی مستشرق کوئی نظریہ یا خیال پیش کرتا تو مصر میں نہ صرف اس کی حمایت کرنے والا بلکہ پورے خلوص اور پورے زورِ قلم اور انشا پردازی کے ساتھ اس کا شارح اور داعی کوئی نہ کوئی ادیب اور مفکر اسی وقت مہیا ہو جاتا، مثلاً قرآن کریم کا انسانی تعبیر ہونا، دین و سیاست کی تفریق، اسلام کی نظامِ حکومت سے یکسر بے تعلقی، سیکولرزم کی دعوت، حدیث کی قیمت اور حجیت سے انکار، سنت کی صحت سے انکار۔

اسی سلسلے میں W.C Smith Islam in Modern History میں لکھتا ہے:

''بہت سے مسلمان نوجوانوں نے مغرب کا سفر کیا اور یورپ کی اسپرٹ اور اقدار سے انہوں نے واقفیت حاصل کی اور ایک حد تک وہ اس کے گرویدہ ہوئے، یہ بات ان طلباء پر خصوصیت کے ساتھ صادق آتی ہے جو یورپ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے ہیں''۔

یورپین فکر کے موافق تیار ہوئی یہ نئی نسل ایک طویل عرصہ سے پوری دنیا میں قیادت اور اثر و رسوخ کی اہم جگہوں پر فائز ہے، جو ہر اس چیز پر ایمان رکھتی ہے جس کی مغرب تلقین کرتا ہے، یہ نسل مغرب کے مقاصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے اور یہ یورپین مدارس مسلسل ایسے مثقفین کی کھیپ تیار کر رہے ہیں جو اکثر مسلم ملکوں میں قیادت اور اسکی تعلیم گاہوں میں نئی نسلوں کی ذہنی تربیت کی ذمہ دار ہے۔

گزشتہ بیس سالوں میں عالمی سطح پر رونما ہونے والے واقعات نے عالمی مسائل کے تعلق سے مغربی ملکوں کے موقف نے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کھلے ذہن سے مطالعہ کرنے والوں کے ذہن میں مغرب کی افترا پردازیاں، بہتان تراشیاں، مکر و فریب اور جھوٹ عیاں ہونے لگا ہے اور متعدد اہل فکر نے ان پر تنقید شروع کر دی ہے۔ اہل قلم مغربی حکمرانوں کی مشرق کے ساتھ اور خاص طور پر مسلم ملکوں کے ساتھ بدسلوکی اور عالمی مسائل حل کرنے میں ان کے دوہرے معیار نے عوام کے ذہن میں شکوک و شبہات پیدا کرنا شروع کر دیا ہے، ان کا مشاہدہ ہے کہ خود ان کے ملکوں کے حکمراں مغرب کے حلیف اور مؤید ہیں اور عوام کے ساتھ جبر و قہر کا معاملہ کر رہے ہیں اور وہ اپنی قوم کے مسائل حل کرنے میں ان کے ناموس و وقار کے دفاع میں اور ملک کی امن و سلامتی کے دفاع میں ناکام ہو چکے ہیں اور جن تحریکوں نے ملک کے چھینے ہوئے وقار اور عظمت کو دوبارہ واپس لانے کی کوشش کی، وہ ظلم و زیادتی اور قید و بند سے دوچار ہو رہی ہیں، حق کا اعلان کرنے والے اور اصلاح کی کوشش کرنے والے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں۔

اس صورت حال کا احساس عصری دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں کے ان فاغین کو زیادہ ہوا،

جن کے دلوں میں دینی غیرت وحمیت اور خودداری کا جذبہ موجزن تھا، جیسا کہ دینی درسگاہوں کے تعلیم یافتہ افراد کو احساس ہوا، اسی احساس وشعور اور جذبہ نے دونوں خیموں کے درمیان دینی غیرت اور قومی حمیت کا پل قائم کردیا، جس کو سامراجی تعلیم نے دو مخالف کیمپوں میں بانٹ رکھا تھا۔

ان واقعات نے جن سے دلوں اور ذہنوں میں انقلاب پیدا ہوا، جو فطری تھا، مغربی ملکوں کو یہ وارننگ دی کہ ثقافتی اور فکری یلغار کے راستہ سے نئی تعلیم وتربیت کے ذریعہ جو کوششیں کی گئی تھی وہ سراب ثابت ہوتی جارہی ہیں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں اسلامی بیداری کی لہر نے مغربی ملکوں کے اس اعتقاد کو غلط ثابت کردیا کہ دلوں میں ایمان ویقین کی چنگاری بجھ چکی ہے اور وہ راہ حق میں قربانی اور جاں نثاری کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے، چنانچہ مغرب نے پھر وہی پرانا ہتھکنڈہ ''تعلیم'' کو استعمال کیا؛ لیکن اس مرتبہ ساری توجہ اور پورا زور دینی تعلیم کے اداروں پر مرکوز کردیا ہے جو دراصل اس بیداری کا باعث ہیں، اس نے ان ہی مدارس کو دینی شعور اور اسلامی بیداری کا سرچشمہ سمجھ لیا ہے کہ مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم اور نظام تربیت ہی اس بیدار مغز اور انقلابی نسل کے ظہور کا ذمہ دار ہے، چنانچہ مغرب نے پوری دنیا میں مدارس اسلامیہ کے خلاف مہم شروع کردی ہے اور مغربی تسلط سے چھٹکارہ پانے اور حصول آزادی کی جدوجہد کو دہشت گردی قرار دے کر تمام حکمرانوں کی توجہ اس مسئلہ کی طرف مبذول کرادی جس نے مغربی تسلط واقتدار کو چیلنج کردیا ہے۔

دینی مدارس کے خلاف موجودہ عالمی مہم حقیقت میں وہی پرانا ہتھکنڈہ ہے جسے مغرب نے یورپین سامراج پھیلنے سے پہلے آزمایا تھا، یہ کوششیں مغرب کے غلط اندازے، غلط فہمی، حقیقت سے عدم واقفیت اور حقائق سے چشم پوشی پر دلالت کرتی ہیں، اس لئے کہ مغربی تسلط سے نجات پانے کی تحریکیں فطری ہیں اور یہ خود مغربی نظام تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہیں، کیونکہ مغرب کی تعلیمی فکری بنیاد آزادی ہے اور آزادی مغربی تہذیب کا پہلا نشانہ ہے، چنانچہ آزادی پسند تحریکوں کو دہشت گرد گردانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

نصاب تعلیم میں تبدیلی کا مطالبہ، درسی کتب سے غلامی کے خلاف جدوجہد سے متعلق مواد کو حذف کرنے کا مطالبہ، اجنبی اقدار روایات کی تطبیق کا مطالبہ اور قومی تشخص کے رموز مٹادینے کا مطالبہ، یہ سارے مطالبات وہی پرانی کوششیں ہیں جو انیسویں صدی میں سامراج نے کی تھیں، ان پرانی کوششوں اور نظام تعلیم وتربیت بدل دینے کی موجودہ عالمی کوششوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ اسلامی مدارس کے خلاف موجودہ عالمی مہم دو سو سال پرانے فارمولہ کا اعادہ اور تکرار ہے، یہ مہم ظالمانہ اور استعماری کوشش ہے جو قومی بالادستی اور آزادی کے تصور کے منافی ہے۔ (بشکریہ: تعمیر حیات لکھنؤ)